© rasailojaraid.com

مولانا زاہد الراشدی

عدالت عالیہ کا قادیانیوں کے خلاف تازہ فیصلہ (۵ جولائی ۹۳ء) اور جسٹس شفیع الرحمن کے اختلافی نوٹ کی حقیقت

ضیاء الحق شہید نے ۱۹۸۴ء میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے متفقہ مطالبہ پر امتناعِ قادیانیت آرڈیننس نافذ کیا۔ جس کے تحت قادیانیوں کو تمام شعائر اسلامی استعمال کرنے سے قانوناً روک دیا گیا۔ قادیانی تب سے ہی ضیاء الحق کے جانی دشمن ہوگئے تھے۔

چند ماہ پیشتر قادیانیوں نے سپریم کورٹ میں اس آرڈیننس کے خلاف رٹ دائر کردی جسکا فیصلہ ۵ جولائی ۱۹۹۳ء کو سپریم کورٹ کے فل بنچ نے سنایا۔ اسی فیصلے کے حوالے سے مولانا زاہد الراشدی کی ایک تجزیاتی تحریر قارئین کی نذر ہے۔ (ادارہ)

اسلامی جمہوری محاذ کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی نے ایک حالیہ بیان میں قادیانیوں پر بعض قانونی پابندیاں برقرار رکھنے گئے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب جسٹس شفیع الرحمن کے اس اختلافی نوٹ کو آئین کی خلاف ورزی قرار دیا ہے جس میں جسٹس موصوف نے یہ ریمارکس دیئے ہیں کہ قادیانیوں پر صدارتی آرڈیننس کے نتیجہ میں جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ آئین میں دیئے گئے بنیادی حقوق کے منافی ہیں۔ مولانا نورانی نے اپنے بیان میں یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ اس معاملہ کو سپریم جوڈیشنل کونسل میں اٹھایا جائے۔ مولانا شاہ احمد نورانی ایک دینی جماعت کے سربراہ اور سیاسی و مذہبی رہنما ہونے کے علاوہ اس دستور ساز اسمبلی کے ممبر بھی رہے ہیں جس نے موجودہ دستور مرتب کیا تھا اور آئین سازی کے مختلف مراحل میں ان کا کردار متحرک اور سنجیدہ پارلیمنٹیرین کا رہا ہے۔ اس لئے وہ آئین کے مقاصد اور روح کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں اور اسی پس منظر میں ان کا یہ بیان انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ بالخصوص ان حالات میں کہ ملک کی قومی اسمبلی کی قائم کردہ ایک خصوصی کمیٹی پورے آئین کا از سر نو جائزہ لے رہی ہے اور اس کے مبینہ تضادات اور خامیوں کو دور کرنے کے لئے سفارشات مرتب کرنے میں مصروف ہے۔ مولانا نورانی کا یہ بیان آئینی مباحث کے حوالہ سے ایک اور پہلو کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اس لئے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس پورے معاملہ کا از سر نو جائزہ لیا جائے۔

سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی پارلیمنٹ نے ایک دستوری ترمیم کے ذریعہ قادیانی گروہ کو اُمت مسلمہ سے الگ ایک جداگانہ مذہب کا پیروکار قرار دیتے ہوئے اس کا شمار غیر مسلموں میں کیا اور ۱۹۸۴ء میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعہ قادیانی گروہ کے افراد کو قانونی طور پر پابند کر دیا کہ چونکہ وہ آئین کی رو سے غیر مسلم ہیں اس لئے وہ اپنے تعارف اور پہچان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لئے اسلام کا نام اور مسلمانوں کے مخصوص شعائر مثلاً کلمہ طیبہ، مسجد، اذان وغیرہ کا استعمال نہ کریں۔ آرڈی ننس میں ایسا کرنے کو حرام قرار دے دیا گیا مگر اس کے باوجود قادیانی حضرات اسلام کا نام اور مسلمانوں کے شعائر استعمال کرتے رہے جس پر ملک کے مختلف حصوں میں ان کے خلاف مقدمات درج ہوئے۔ بہت سے قادیانی گرفتار ہوئے۔ ان میں سے بعض کو عدالتوں سے سزائیں بھی ہوئیں۔ اس پر قادیانیوں نے جہاں ملک سے باہر عالمی سطح پر یہ پروپیگنڈہ مہم منظم کی کہ ان کی مذہبی آزادی اور بنیادی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے۔ وہاں ملک کے اندر بھی وہ اعلیٰ عدالتوں میں گئے اور یہ موقف اختیار کیا کہ امتناع قادیانیت کا صدارتی آرڈی ننس مجریہ ۱۹۸۴ء قرآن و سنت اور آئین پاکستان کے منافی ہے۔ اعلیٰ عدالتوں نے ان کا یہ موقف تسلیم نہ کیا اور ان کے خلاف فیصلے صادر کئے۔ قانونی وکلاء ان فیصلوں کے خلاف اپیل لے کر سپریم کورٹ میں گئے۔ جہاں مسٹر جسٹس شفیع الرحمن، مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری، مسٹر جسٹس محمد افضل لون، مسٹر جسٹس سلیم اختر اور مسٹر جسٹس ولی محمد پر مشتمل فل بنچ نے ان اپیلوں کی سماعت کی اور ۵ جولائی ۹۳ء کو یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ صدارتی آرڈی ننس آئین کے منافی نہیں ہے جب کہ مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے اختلافی نوٹ دیا ہے کہ آرڈی ننس کے کچھ حصے ان کے بقول آئین میں دیئے گئے بنیادی حقوق کے متصادم ہیں اور مولانا شاہ احمد نورانی نے اسی اختلافی نوٹ کو ہدف تنقید بنایا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہماری اعلیٰ عدالتوں کے بعض جج صاحبان اور کچھ قانونی ماہرین بنیادی حقوق کے تصور کے بارے میں کنفیوژن کا شکار ہیں۔ ان کے ذہنوں میں بنیادی حقوق کا تصور وہ ہے جو مغربی نظام قانون بلکہ نظام سیاست نے میڈیا کے ذریعے ان کے سامنے پیش کر رکھا ہے۔ اور امریکہ بہادر انسانی حقوق کی یہ رائفل کندھے سے لگائے اپنے سیاسی مخالفین پر تاک تاک کر نشانے لگا رہا ہے۔ بنیادی حقوق کے اس مغربی تصور (یہودی و نصرانی تصور) کو ہمارے بعض جج صاحبان پاکستان کے آئین میں فٹ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور تصویر اور فریم کے سائز بلکہ ساخت مختلف ہونے کے باعث ہی تصویر فٹ نہیں ہو رہی۔ اس سے قبل بھی ہماری عدالت عظمیٰ اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہو چکی ہے۔ جب چکوال کے ایک مقدمہ قتل کے حوالہ سے سپریم کورٹ میں یہ بحث چلتی رہی کہ قاتل کو برسر عام سزا دینا اس کی عزت نفس کے منافی ہے اور عزت نفس ایک جیسی ہے۔ جج صاحبان کے ذہنوں میں یہی تصور براجمان تھا۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ قرآن کریم مجرموں کو برسر عام لوگوں کے سامنے سزا دینے کا حکم دیتا ہے تو وہ کنفیوژن کا شکار ہو گئے۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمن کا اختلافی نوٹ بھی اسی نوعیت کے ذہنی کنفیوژن کی عکاسی کرتا ہے۔

یہ قصہ صرف اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان تک محدود نہیں رہا بلکہ ہماری سیاسی قیادت کا ایک بڑا حصہ اسی ذہنی الجھن کا شکار ہے۔ وہ ایک طرف انسانی حقوق، شہری آزادیوں اور ڈیموکریسی کے وہ تصورات ذہنوں میں سجائے بیٹھے ہیں جو مغرب نے (یہود و نصاریٰ) تعلیم اور میڈیا کے ذریعے ان کے ذہنوں میں منتقل کئے ہیں اور دوسری طرف قرآن و سنت کی تعلیمات اور آئین کی اسلامی دفعات ان کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔ اور انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ کیا کریں اور کدھر جائیں؟ ان کی اسی حالت کی عکاسی اردو کے اس شعر میں بہتر طور پر کی گئی ہے جو اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے (۱)

قومی اسمبلی میں آئین کے تضادات اور خامیوں کا تذکرہ اور اصلاحی سفارشات کے لئے کمیٹی کے قیام کا فیصلہ بھی اسی ذہنی کش مکش کا کرشمہ ہے۔ اور جس قومی اسمبلی نے نام نہاد شہریت بل میں قرآن و سنت کی بالادستی سے سیاسی نظام اور حکومتی ڈھانچے کو مستثنیٰ قرار دینے کی دفعہ پاس کرلی تھی۔ اس سے کسی بھی فیصلہ کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس لئے حساس دل ابھی سے لرز رہے ہیں کہ کہیں آئین کے تضادات دور کرنے کے بہانے جمہوریت اور بنیادی حقوق کے مغربی تصورات (یہودی و نصرانی تصورات) کی کند چھری آئین کی اسلامی دفعات کی گردن پر نہ چلادی جائے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ "قرار داد مقاصد" آئین کا قابلِ عمل حصہ ہے جس میں مملکت اور حکومت کو اس امر کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر حکمرانی کا اختیار استعمال کریں۔ پھر اسلام کو مملکت کا سرکاری مذہب قرار دے کر ملک کے تمام مروجہ قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کی آئینی ضمانت دی گئی ہے۔ اس لئے جب آئین کی دوسری دفعات میں مذہبی آزادی اور بنیادی حقوق کا ذکر ہوگا تو ان کی بنیاد مغربی تصورات پر نہیں بلکہ قرآن وسنت کی تعلیمات پر ہوگی اور قرآن وسنت کی تعلیمات کا فیصلہ مغربی فلسفہ قانون اور روایات و اقدار کی بجائے اُمت مسلمہ کے ۱۴ سو سالہ تعامل پر ہوگا۔ یہی ایک بنیادی نقطہ ہے جو مغرب سے مرعوب ہمارے بہت سے سیاست دانوں اور جج صاحبان کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ اب جسٹس شفیع الرحمان صاحب کے اختلافی نوٹ کو ہی لے لیجئے۔ انہوں نے اس نوٹ میں یہ کہہ کر خود ہی اپنی اس ذہنی الجھن کا اظہار کر دیا ہے اور روزنامہ جنگ لندن ۶ جولائی ۱۹۹۳ء کی رپورٹ کے مطابق:

"مسٹر جسٹس شفیع الرحمان نے اپنے اختلافی فیصلے میں لکھا ہے کہ عدالت کو مقدمے کی سماعت کے دوران اس مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہے کہ قادیانیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ امتناع قادیانیت کا آرڈی ننس اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ لیکن قادیانیوں نے اس بات پر زور نہیں دیا کہ وہ اس آرڈی ننس کو بنیادی حقوق سے متصادم ثابت کریں"۔

گویا مسٹر جسٹس موصوف کے بقول قادیانیوں کے لئے صدارتی آرڈی ننس کو اسلامی تعلیمات کے منافی ثابت کرنا ممکن نہیں تھا البتہ اس کے بجائے وہ اسے بنیادی حقوق کے متصادم ثابت کرنے پر زور دیتے تو جسٹس موصوف کو فیصلے میں مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اس طرح خود انہوں نے یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے تقاضے بنیادی حقوق کے معروف تصور سے مختلف ہیں اور کسی فیصلے میں دونوں کو یکجا ملحوظ نہیں رکھا جاسکتا لیکن ہمیں یہاں بھی جناب جسٹس موصوف کا ذہن کنفیوژن کا شکار نظر آتا ہے۔ کیونکہ ان کے ذہن میں اس مرحلہ پر بھی بنیادی حقوق کا وہی تصور ہے جو مغرب کا پیش کردہ ہے اور جس کا اطلاق پاکستان میں مملکت اور دستور کی واضح نظریاتی بنیادوں کے باعث کلیتاً ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ حکمرانی کا اختیار استعمال کرنے میں خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی دستوری طور پر قبول کرلینے کے بعد آئین کی رو سے بنیادی حقوق سمیت تمام معاملات کی وہی تشریح

(۱) مولانا کو سہو ہوا ہے۔ یہ شعر غالب کا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و تعبیر قابلِ قبول ہو گی جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو گی۔ اس لئے ہمیں قومی سطح پر بنیادی حقوق سمیت تمام معاملات کی وہی تشریح و تعبیر قابلِ قبول ہو گی جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو گی۔ اس لئے ہمیں قومی سطح پر بنیادی حقوق کے حوالے سے اپنا ذہن واضح کرنا ہو گا اور اس امر کا پوری طرح ادراک کرنا ہو گا کہ بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں کا مغربی (یہودی و نصرانی) تصور ایک الگ چیز ہے اور ان کا اسلامی دائرہ اس سے قطعی طور پر جدا گانہ ہے۔ دونوں کے درمیان ایک واضح خطِ امتیاز ہے جسے کھلی آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے۔ یہاں اس امر کی تفصیل میں جانا ضروری نہیں ہے کہ بنیادی حقوق کے دونوں تصورات میں فرق کہاں کہاں ہے اور انسانی اجتماعیت کے مفاد کے نقطۂ نظر سے ان میں بہتر اور مفید کون سا ہے۔ لیکن اس قدر گزارش شاید نامناسب نہ ہو کہ اسلامی اجتماعیت کے مثالی دورِ خلافت راشدہ میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی طور پر بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں میں جو توازن اور ان کی عملی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ آج کا مغربی معاشرہ ان حقوق کے عملی اطلاق اور اس کے فطری ثمرات میں نتائج کے لحاظ سے خلافت راشدہ کا جواب پیش کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اور انسانی اجتماعیت کے فطری تقاضوں پر مغرب کے معاشرتی جبر کے خلاف خود اس معاشرہ کے دانشوروں کی چیخ و پکار اب واضح طور پر سنائی دینے لگی ہے۔ بوسنیا اور فلسطین کے حوالے سے بنیادی حقوق کے بارے میں مغرب کے دوہرے معیار کے خلاف سابق برطانوی وزیر اعظم مسز تھیچر کی صدائے احتجاج اور مغرب میں خاندانی زندگی کی تباہی پر آنجہانی سوویت یونین کے آخری صدر مسٹر گورباچوف کا واویلا ابھی تازہ باتیں ہیں۔ جب کہ معاشرتی بے سکونی، بدامنی اور قتل و غارت گری کے پس منظر میں مغربی دانشوروں کی گزشتہ پانچ سال کی چیخ و پکار کو جمع کیا جائے تو ایک کتابچہ مرتب ہو سکتا ہے مگر بد قسمتی کی بات ہے کہ مغرب اپنی معاشرتی اقدار و روایات کی فتنہ خیزیوں سے تنگ آ کر پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھنے لگا ہے تو ہمارے بعض دانشور، سیاست دان اور جج صاحبان ان اگلے ہوئے لقموں کی طرف للچائی ہوئی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔

یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

جہاں تک دستور پاکستان کا تعلق ہے اس کا رخ بالکل واضح ہے۔ وہ حکمرانی کا اختیار استعمال کرنے میں خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی قبول کرتا ہے۔ اسلام کو مملکت کا سرکاری مذہب قرار دیتا ہے۔ تمام مروجہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کی ضمانت دیتا ہے اور دستور پاکستان نے قوانین کی قرآن و سنت کے مطابق تعبیر و تشریح کے لئے وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے وہ آئینی ادارے قائم کر رکھے ہیں جو اپنے اپنے دائرے میں مسلسل خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس لحاظ سے آئین میں کوئی ابہام ہے نہ تضاد۔ البتہ آئین میں بعض ایسی دفعات بھی شامل ہیں جو مملکت اور دستور کے واضح نظریاتی دائرہ کار کے باوجود نو آبادیاتی دور کی یادگار قانونی معاشی اور سیاسی نظام کو تحفظ فراہم کر رہی ہے اور اس حوالہ سے آئین میں واقعتاً تضاد موجود ہے اس لئے اگر آئین کو تضادات سے پاک کرنا ہے۔ تو اس کے لئے صحیح راستہ یہ ہے کہ:

O ہمارے سیاست دان، دانشور اور جج صاحبان اپنے ذہنوں سے بنیادی حقوق، شہری آزادیوں اور معاشرتی اقدار و روایات کے حوالہ سے مغربی (یہودی و نصرانی) تصورات کا بوجھ اتار دیں اور قرآن و سنت اور خلافتِ راشدہ

بقیہ ص ۴۹ پر

© rasailojaraid.com